ماں

شبنم پروین

کوئناہاسٹل، جواہرلعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی۔110067

ریشماں اپنے والدین کی پہلی اولاد تھی ۔جب وہ پیدا ہوئی تو پورے گاؤں میں مٹھائیاں بانٹنے کے ساتھ ساتھ دعوتوں کے بڑے لمبے لمبے سلسلے چلے تھے۔ریشماں ابھی تین سال کی ہوئی بھی نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بھائی کی کمی بھی پوری کردی۔''ہم دو ہمارے دو'' کی طرح سے فیملی مکمّل ہوچکی تھی۔ایسا محسوس ہورہا تھا کہ بس زندگی یونہی ٹھہر جائے اور گھر کی خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے،لیکن چرخِ فلک کی تیز گامی کو کون روک سکتا ہے؟ لمحے رنگین آنچل کی طرح سے سرک جاتے ہیں ۔ریشماں کے والد سلام ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازم تھے۔ زندگی اپنے فطری انداز میں بڑے سکون سے گزر رہی تھی۔سلام اپنی بیٹی سے بے پناہ محبت کرتے تھے، یہ سمجھ کر کہ بیٹیاں گھر کی رحمت ہوتی ہیں۔پھر کہاں ان کے دو چار بیٹیاں تھیں؟ ایک ہی تو تھی! وہ بھی بڑی مِنّت سے پیدا ہوئی تھی۔ریشماں اب پانچ سال کی ہونے کو تھی کہ گھر میں ایک بڑا سانحہ پیش آ گیا۔ریشماں کی ماں تیسرے بچّے کی پیدائش میں دردِزہ کی تاب نہ لاسکی اور انتقال کرگئی۔اس بار بھی بیٹا ہی ہوا تھا ،لیکن خوشیاں ماتم میں تبدیل ہوچکی تھیں اور بچہ اپنی ماں کی غیر موجودگی نہ برداشت کرسکا،اس لیے دوسرے ہی دن وہ بھی دنیا سے رخصت ہوگیا۔اب کیا تھا؟ پورا نقشہ ہی تبدیل ہوگیا تھا۔گھر کی ساری ذمہ داریاں سلام کے سر پہ آ گئی تھیں۔دونوں بچوں کی دیکھ ریکھ کے علاوہ ملازمت کو بھی سنبھالنا بڑا دشوار کن مسئلہ بن گیا تھا۔گھر کی ساری ذمہ داریوں کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ ڈیوٹی کو بھی نبھاتے رہنا ناممکن نہیں پر آسان بھی نہیں تھا۔ایک دو مہینوں تک تو گھر میں رکھا رکھایا سامان چلتا رہا،لیکن اب بغیر کام پر جائے اخراجات پورے کر پانا ممکن نہیں تھا۔لہٰذا سلام نے ڈیوٹی جوائن کرلی۔سلام صبح سویرے اٹھ کر بچوں کے کھانے پینے کے سارے انتظامات تو کر جاتے ،لیکن انھیں یہ بتانے والا کہ کیا کھانا ہے؟ کب کھانا ہے؟ اور کیسے کھانا ہے؟ گھر میں کوئی نہیں تھا۔گو کہ بچوں کی مناسب دیکھ بھال نہیں ہو پارہی تھی اور نہ ہی سلام ریشماں کو اسکول بھیج پاتے ،حالانکہ اس کی عمر اسکول جانے کے لائق ہوچکی تھی۔ریشماں اپنی عمر کے بچوں کو اسکول جاتے دیکھتی تو روز اپنے ابّو سے کتاب اور بستے کی ضِد کرتی۔سلام ہر بار یہ کہہ کر سمجھا دیتے کہ جب مُنّا بڑا ہو جائے گا پھر دونوں بھائی بہن ساتھ ساتھ جایا کرنا اور اس معصوم کو کیا سمجھاتے؟ ڈھنگ سے پرورِش نہ ہو پانے کے سبب ریشماں کا بھائی بیمار رہنے لگا۔آئے دن کچھ نہ کچھ لگا رہتا۔صحت میں لگاتار گراوٹ آتی ہی جارہی تھی۔ایک دن اس قدر شدت کا بخار چڑھا کہ سلام کے واپس آتے آتے بیٹے نے دنیا کو الوداع کہہ دیا۔

سلام اپنی قسمت کو کوستے ہوئے بار بار یہی جملے دہرائے جارہے تھے کہ ''ہائے میرے گھر کو کس کی نظر لگ گئی؟''''میں تو برباد ہوگیا''! ''یہ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے''؟''آخر میرا قصور کیا ہے؟''''اتنی بڑی بڑی سزائیں اللہ تعالیٰ مجھے کس جرم میں دے رہا ہے''؟''میرے بیوی بچے مجھ سے کیوں چھینے جارہے ہیں''؟''اب میں کیا کروں''؟ سلام کو چاروں طرف نہ ختم ہونے والا گھٹا ٹوپ اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔محلے کے لوگ جمع ہوئے۔سبھی نے تسلی و دلاسہ دینے کے ساتھ ساتھ دوسری شادی کی تجویز رکھی۔اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی تو نہیں تھا!حتیٰ کہ دن ،مہینے،سال میں گزرتے رہے۔ریشماں اب آٹھ سال کی ہو گئی تھی،لیکن ابھی کسی گھریلو کام کاج کے لائق تو نہیں ہو پائی تھی،جس سے باپ کو کچھ سہارا مل پاتا اس لیے اب دوسری شادی کرنا سلام کی مجبوری اور ضرورت دونوں بن گئی تھی۔ رشتے داروں نے لڑکی تلاش کرنی شروع کردی تھی،لیکن سلام ابھی اسی شش و پنج میں تھے کہ شادی کرنے کے بعد''کہیں ایسا یا ویسا نہ ہوجائے''؟ میری بیٹی کا کیا ہوگا؟ سوتیلی ماں اُسے نظر انداز نہ کردے؟ خیر ان کا یہ سوچنا درست بھی تھا۔ رشتے دار چاہتے تھے کہ کوئی مطلقہ لڑکی مل جاتی جو ریشماں کو اپنا کر ماں کی

کمی کو پورا کر دیتی۔ اس معصوم سی کلی کو پھول بننے تک اپنے آنچل کی چھاؤں میں پناہ دیے رہتی، لیکن حسبِ حال اور حسبِ منشا کام زندگی میں بہت کم ہو پاتے ہیں۔ بہر کیف ایک عمر دراز، لیکن غیر شادی شدہ لڑکی کو ریشماں کی ماں اور سلام کی شریکِ حیات بننے کا شرف حاصل ہوا۔

سلام نئی بیوی کو پا کر دنیا کے تمام دکھ و تکلیفیں رفتہ رفتہ بھول گئے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی دماغ سے اوجھل گیا کہ وہ ایک بچی کے باپ بھی ہیں۔ نئی بیوی اور نئے بچوں کے علاوہ انھیں اب کچھ یاد نہیں رہ گیا تھا۔ ریشماں کی اب دیکھ ریکھ پہلے سے زیادہ ہونے لگی تھی۔ سلام کو کام سے فرصت ہی نہیں تھی کہ وہ کبھی ریشماں کی طرف توجہ دے پاتے اور تھوڑا بہت جو وقت ملتا تو وہ ان پانچ بیٹوں کے لیے ہی ناکافی تھا جو انھیں نئی بیوی سے ملے تھے۔ دوسری ماں نے ریشماں کی اس قدر دیکھ بھال کرنے کا ذمّہ لیا کہ اس کی معصومیت اور بھول پن کو کنارے چھوڑ ایک سنجیدہ عورت میں تبدیل کر دیا۔ گڑیا کھیلنے والے پھول سے نازک ہاتھوں میں سخت جھاڑو اور برتن پکڑا دیے گئے تھے۔ بات بات پر جھڑک دینا، تھپّڑ مار دینا دوسری ماں کی عادت اور ریشماں کا مقدر بن گیا تھا۔ دادی دادا سے تو آتے ہی رشتے منقطع ہو گئے تھے اور سلام کو بھی اپنے والدین ناگوار سے گزرتے تھے۔ ننہال میں اس لیے نہیں بھیجا جاتا کہ ایک اکیلی جان پر پانچ پانچ بچے اور گھر کو سنبھالنا مشکل تھا۔ جب بھی ریشماں کے ماموں جان اپنی بھانجی کو لینے آتے تو انھیں یہ کہہ کر واپس کر دیا جاتا کہ سبھی بچے اور کیا میں خود ریشماں سے ایک پل بھی الگ نہیں رہ سکتے ہیں۔ ساتھ کھیلنا، ساتھ کھانا پینا یہاں تک کہ سوتے بھی ساتھ ہی ہیں۔ ماموں جان یہ سوچ کر خوش ہو جاتے کہ اتنا پیار ہماری بھانجی کو دیا جا رہا ہے؟ میں نے تو سوتیلی ماؤں کے بارے میں بہت الٹا سیدھا سن رکھا تھا، لیکن خدا کا شکر ہے یہ ویسی بالکل بھی نہیں ہے۔ خوب ڈھیر سارے کپڑے اور مٹھائیوں کے علاوہ فرداً فرداً روپے بانٹ کر وہ واپس چلے جاتے۔ ان کے جانے کے بعد ریشماں سے سارے پیسے طلب کیے جاتے اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دی جاتی کہ یہ کپڑے ابھی نہیں پہنے جائیں گے۔ انھیں تہواروں میں پہننا، پہلے پرانے ختم ہو جانے دو۔ ریشماں صبح سویرے ہی اٹھا دی جاتی، موسم کوئی بھی ہو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جھاڑو برتن کرنے کے بعد اپنے چھوٹے بھائیوں کی غلاظت (جو وہ رات میں کرتے تھے) صاف کرتی تھی۔ اسے باورچی خانہ میں اسی وقت آنے دیا جاتا تھا جب سلام آفس چلے جاتے تھے۔ کیونکہ ریشماں کو اپنے حصّے کی روٹیاں خود ہی پکانی ہوتی تھیں۔

ریشماں کو چولہا چوکا اس ڈر سے بچپن میں ہی تھما دیا گیا تھا کہ لڑکی پرایا دھن ہوتی ہے۔ اگر کام کاج ابھی نہ سیکھ سکی تو پھر عمر نکل جائے گی سیکھتے سیکھتے اور پھر بھی نہ سیکھ پائے گی۔ پڑھائی لکھائی کا یہ تھا کہ کون سا نوکری کروانی ہے؟ آخر کسی کے گھر جا کر بھی یہی تو کرنا ہے۔ ریشماں کے سبھی بھائی بہن باقاعدگی سے اسکول جاتے تھے۔ اگر کبھی سلام نے ریشماں کی پڑھائی لکھائی کو لے کر بیوی سے مشورہ کیا بھی تو یہی جواب ملا کہ اب بڑی ہو رہی ہے باہر نکلے گی تو لوگ چار باتیں بنائیں گے، کہ سوتیلی ماں اُس سے آوارہ گردیاں کرواتی ہے۔ سلام کو یہ موٹی سی بات فوراً سمجھ میں آجاتی کہ ضرور اس میں کوئی حکمتِ عملی چھپی ہوئی ہے۔ عورتوں کی نفسیات عورتیں ہی بہتر سمجھ سکتی ہیں۔ بات بھی صحیح ہے کہ باہر اس کی کون رکھوالی کرے گا؟ نہ جانے کون سا الٹا سیدھا قدم بچکانے میں اٹھ جائے؟ لہٰذا گھر کے کاموں سے چھٹّی ملنے کے بعد ریشماں کے دل بہلاوے کے لیے دو بکرے بھی ہمیشہ پلے رہتے تھے۔ قربانی کی غرض سے یہ پالے جاتے تھے۔ ریشماں ان کے لیے باہر گھاس کاٹنے جاتی تھی۔ جب وہ باہر نکلتی تو آس پاس کے لوگ اُسے بلا لیتے۔ ایسا اس لیے کرتے تھے کیونکہ ریشماں کو کسی کے گھر میں آنے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ محلے کے لوگ بھی اس کی ماں سے خوف زدہ رہتے تھے۔ چونکہ محلے کا کوئی ایسا گھر نہیں تھا جس نے ریشماں کے حقوق کو لے کر لڑائی نہ لڑی ہو۔ یہ لڑائیاں پڑھائی لکھائی، بھر پیٹ خوراک اور استطاعت سے زیادہ کام وغیرہ کے لیے ہوتی رہتی تھیں۔ لوگ ریشماں کی ماں کی چالوں سے خوب واقف ہو گئے تھے۔ اس لیے اسے چپکے سے بلا کر کھانا کھلا دیا کرتے تھے۔ ریشماں اپنی ماں کی کبھی برائی نہیں کرتی تھی، لیکن اس معصوم کی قبل از وقت بوڑھی تھکی تھکی سی آنکھیں سارے راز فاش کر دیتی تھیں۔ ریشماں گھر کی تمام ذمہ داریوں اور ظلم و زیادتیوں سے مانوس سی ہو گئی تھی۔ اب اُسے یونیفارم میں اسکول جاتے ہوئے بچے متاثر نہیں کرتے تھے اور نہ ہی دوسری تمام ہم عمر لڑکیاں بچپن کے کھیلوں میں بالخصوص (گڑیا) سے ہی اپنی طرف راغب کر پاتی تھیں۔ اس ماں کا یہ بڑا کارنامہ تھا کہ اس نے ایک بچی کو عورت میں جلد سے جلد تبدیل کر دیا تھا۔ ریشماں اب بالغ ہو چکی تھی۔ دادی دادا یہی دعا کرتے تھے کہ خدایا میری اس معصوم بچی

کی تمام محرومیاں سمجھدار ہمسفر ملا کر پوری کردے۔ ریشماں کی ماں اپنے بڑے لڑکے کی شادی پہلے کرنا چاہتی تھی کیونکہ گھر میں اس کے جانے کے بعد کوئی کام کرنے والا نہیں تھا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور شاید ریشماں کے لیے مانگی جارہی دعائیں بھی منزل مقصود کو پا گئی تھیں۔ ایک بہت ہی غریب، لیکن سمجھدار لڑکے سے ریشماں کا نکاح محلے کے لوگوں نے مل کر زور زبردستی سے کرا دیا تھا۔ ریشماں اپنے گھر دوار کی ہوگئی تھی۔ جہاں صرف اور صرف محبتیں اور شفقتیں تھیں۔ ریشماں کی ساس نے اپنی بیٹی کے سوا اُسے کچھ نہیں سمجھا اور شوہر رضوان نے دنیا کی تمام خوشیوں سے اس کا دامن بھر دیا تھا۔ ریشماں کو ایسا محسوس ہوتا تھا گویا رضوان کا ساتھ پا کر وہ جنت میں داخل ہوگئی ہے اور اس احساس کو مزید تقویت اس وقت حاصل ہوگئی جب رضوان کے پیار کی نشانی کو اس نے اپنی بانہوں میں محسوس کیا۔ ریشماں اپنی قسمت پہ نازاں تھی اور اپنے رب کی شکر گزار بھی۔

ریشماں کے بھائی جیسے جیسے تعلیم سے آراستہ ہوتے گئے اپنے اپنے من مطابق فیصلے کرتے گئے۔ دو بھائیوں نے ماں باپ کا خیال رکھنے کی غرض سے ساتھ ہی رہنا مناسب سمجھا، لیکن دونوں کی بیویوں نے اس شرط کے تحت ان کے ساتھ رہنے کی رضامندی دی کہ ہم اپنے کھانے پکانے کے ساتھ ساتھ معاملات بھی الگ ہی رکھیں گے۔ سبھی بہوؤں نے بڑھاپے کی تمام ذمہ داریوں کو اٹھانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اب وہ طاقت اور زور کہاں رہ گیا تھا؟ جو سب سے الگ ہونے کے بعد بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ تنہائیاں دامن گیر تھیں۔ جسمانی کمزوریاں ہمت پر غالب آ گئی تھیں۔ بہت دنوں کے بعد جب ریشماں کا گھر آنا ہوا تو اس سے اپنے والدین کی حالتِ زار دیکھی نہ گئی۔ پلک جھپکتے ہی رشتوں کے شیشے وقت کے پتھر سے ٹکرا کر چکنا چور ہوگئے۔ ریشماں کو اپنے والدین کے سسکتے دلوں کے زخم اندر ہی اندر پگھلائے دے رہے تھے۔ چونکہ بیٹیاں بیٹوں کی طرح سے لہروں کا نظارہ نہیں کرتی ہیں بلکہ جذبوں کے سمندر میں ڈوب جاتی ہیں۔ آج وہی ماں جس نے اپنے بیٹوں کے لیے کیا نہیں کیا تھا؟ اپنوں کے بیچ میں تنہا پڑی تھی۔ آخر ریشماں نے اپنے اوپر کئے گئے تمام جبر واستبداد کو بھلا کر انھیں اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس مقدس رشتے کو پامال ہونے سے بچا لیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ ماں تو صرف ماں ہوتی ہے۔ چاہے سگی ہو یا پرورِش کرنے والی، دونوں صورتوں میں ہماری محبت کا پیکر۔

○○

قلعۂ معلّٰی کی جھلکیاں

اس کتاب میں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے زمانے کے لال قلعے کے رسم ورواج وروز وشب کے معمولات اور مغل دور کے آداب کا ذکر بڑے دل پذیر انداز میں کیا گیا ہے۔

مصنف: عرش تیموری، مرتب: ڈاکٹر اسلم پرویز، صفحات: ۷۲ (چوتھا ایڈیشن) قیمت: ۲۵ روپے

رسومِ دہلی

مولوی سیّد احمد دہلوی ''فرہنگ آصفیہ'' کے مرتب کی حیثیت سے آج تک یاد کیے جاتے ہیں۔ انہی مولوی سیّد احمد دہلوی کی ایک اور اہم تصنیف ''رسومِ دہلی'' ہے جس میں لال قلعہ کی زندگی اور ۱۹ویں صدی کی دوسری دہائی تک دہلی میں رائج تمام رسوم کا تفصیلی بیان ہے۔ اس موضوع پر یہ واحد کتاب ہے۔

مرتب: ڈاکٹر خلیق انجم، صفحات: ۲۰۸، قیمت: ۴۰ روپے (دوسرا ایڈیشن)

ناشر: اردو اکادمی، دہلی